مولانا ارشاد الحق اثری

قسط نمبر ۳
(آخری)

اختلافِ امت اور مسلکِ اعتدال

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم کو بھی انہی معنوں میں حنبلی کہا گیا ہے ورنہ تقلید کے خلاف ان کے بیانات کوئی ڈھکے چھپے نہیں۔ بلکہ تقلید شخصی کو تو وہ یہودیت کے شجرہ ضلالہ سے استلحاق کے مترادف جانتے ہیں۔ فتاویٰ شیخ الاسلام اور اعلام الموقعین لابن قیم میں تقلید و جمود کی چیرہ دستیوں کی جو داستان انہوں نے بیان کی ہے وہ باعث عبرت ہے۔ مگر افسوس کہ تقلید کی بیماری سے متاثرہ اذہان انہیں مقلد باور کرانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

فقہی مسائل میں ان کے اپنے اجتہادات اور اقوال بھی ہیں۔ ان کے اگر بعض فتووں کو "شاذ"[1] قرار دیا گیا ہے تو یہ کونسی اجنبی بات ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر بعد کے مجتہدین تک کے اقوال میں "شاذ اقوال" پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کسی بحاث سے مخفی نہیں۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ان شاء اللہ ان کی نشاندہی بھی کر دی جائے گی۔ جن حضرات نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کو حنفی بنا دیا ہو ان کو دوسرے مجتہدین کیوں کر گوارا ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ الدر المختار ص۵۶ ج۱ میں علامہ علاء الدین الحصکفی نے اور ذب ذبابات الدراسات ص۲۷۸ ج۱ میں علامہ عبد اللطیف ٹھٹھوی وغیرہ نے حضرت عیسیٰؑ کا حنفی ہونا بڑے فخر سے بیان کیا ہے۔ بلکہ بعض عاقبت نااندیش حضرات نے تو اس کے متعلق ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ بیان کیا ہے جسے نقل کرتے ہوئے قلم کو بھی پسینہ آتا ہے۔ علامہ علی قاری نے "المشرب الوردی فی مذاہب المہدی" میں اس قصہ کا خوب ابطال کیا ہے۔ جس کا خلاصہ شیخ محمد البرزنجی الشافعی کی "الاشاعۃ لاشراط الساعۃ" ص۲۲۱ میں نواب صدیق الحسن خانؒ کی "الاذاعۃ لما

---

[1] جیسا کہ لدھیانوی صاحب نے لکھا ہے۔ ص۴۶۔

کان وما یکون بین یدای الساعۃ" ص۱۶۲ میں اور" ردالمختار" ص ج۱/۵ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ سیوطی نے " الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے ایک مستقل رسالہ اسی عنوان پر لکھا ہے جو ان کے مجموعہ فتاوی الحاوی ص ج۲/۱۵۵ میں مطبوع ہے۔ جس میں انھوں نے بھی اس بات کی پرزور تردید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے پابند ہوں گے۔ اسی طرح علامہ لکھنوی نے بھی "غیث الغمام" ص۵ پر اسی فکر کی تردید کی ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ یہ قول مردود ہے۔ بلکہ وہ دونوں یعنی حضرت عیسیٰ اور امام مہدی علیہما السلام مجتہد مستقل ہوں گے اور کسی کی تقلید کے محتاج نہیں ہوں گے[۱]۔ اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو تقلیدی ذہن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقلد بنانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے وہ دوسرے مجتہدین کے اجتہاد کو کیونکر تسلیم کر سکتا ہے؟

کہا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ علوم اسلامیہ کے امام اور اسرار الٰہیہ کے رمز شناس ہونے کے باوجود مجتہد نہ تھے۔ بلکہ مذاہب اربعہ کے مقلد تھے اور فیوض الحرمین میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے سمجھایا کہ مذہب حنفی سنت کے قریب ہے[۲]۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب برصغیر کے قدیم حنفی فکر کی کمزوری کو سمجھتے تھے اور اس کے برعکس مسلک شافعی کو اقرب الی السنۃ قرار دیتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

"اما هذه المذاهب الاربعة فاقربها الى السنة مذاهب الشافعي"

کہ" ان مذاہب اربعہ میں سنت سے زیادہ قریب امام شافعیؒ کا مذہب ہے"

(الخیر الکثیر ص۱۸۱)

اسی قسم کا اظہار انھوں نے "الانصاف" میں بھی کیا ہے۔ بلکہ ایک اندازہ کے مطابق ۷۰ فیصد سے زائد مسائل میں ان کا رجحان امام شافعیؒ کی جانب ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مظہر بقا نے "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" کے صفحہ ۴۰ اور صفحہ ۵۰۲ میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ مگر وہ ماحول سے متاثر تھے اس لیے عملاً حنفی رہے۔ البتہ ان کی یہ کوشش ضرور رہی کہ فقہ حنفی کو سنّت کے مطابق بنایا جائے۔ چنانچہ" فیوض الحرمین" کی جو ادھوری عبارت ہمارے مکرم معاصر نے دی ہے اگر اسے پورا پیش کر دیا جاتا تو بات صاف ہو جاتی۔ چنانچہ ان

---

[۱] مزید دلچسپی کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ الارشاد ص ۱۶۸، ۱۶۹ [۲] ص ۲/۶ ملخصاً بینات۔

کے مکمل الفاظ کا ترجمہ یوں ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سمجھایا کہ حنفی مذہب میں ایک نفیس طریقہ، ان تمام طریقوں کی نسبت اس سنت کے زیادہ موافق ہے جو امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی، اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہؒ ابو یوسف اور محمدؒ) کے اقوال میں سے وہ قول لیا جائے جو سنت کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اس کے بعد ان فقہاء احناف کے اقوال کا تتبع کیا جائے جو حدیث کے علم سے بھی باخبر تھے۔ اس لیے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ائمہ ثلاثہ نے سکوت اختیار کیا ہے لیکن ان کی نفی بھی نہیں کی اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ایسی صورت میں اس کے اثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ تمام مذہب حنفی ہے۔"

قارئین کرام غور فرمائیں، بات کیا تھی اور کیا بنا دی گئی ؟ شاہ صاحب کو جو طریقہ بتلایا گیا وہ تو یہ تھا کہ ائمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے جو قول سنت کے زیادہ قریب ہو اسے اختیار کیا جائے اور جن مسائل میں انہوں نے خاموشی اختیار کی ہے اور ان پر متاخرین کے اقوال موجود ہیں اور حدیث بھی ان اقوال کی مؤید ہے تو اسے بھی حنفی مذہب سمجھا جائے۔ مگر ہمارے مہربان یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنفی مذہب کی تعریف کی ہے۔[1]

ع دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا !

اسی طرح یہ بات کہ "مذاہب اربعہ سے خروج کی مجھے ممانعت کی گئی ہے" بھی من وجہ محل نظر ہے۔ کیا دینی مسائل میں کشف والہام حجت ہے ؟ قطعاً نہیں۔ ثانیاً مذاہب اربعہ تو کیا، بلکہ اگر ائمہ اربعہ کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو وہ حجت ہے ؟ بالکل نہیں ! شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

"ان اهل السنة لم يقل احد منهم ان اجماع الفقهاء الاربعة

---

[1] شاہ صاحب کے اس کشف والہام کا اگر وہی مفہوم ہے جو ہمارے فاضل معاصر نے سمجھا ہے تو اس کے برعکس ان رویا وصادقہ کا کیا جواب ہوگا جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنفیت کی طرف میلان رکھنے والوں کے بارے میں اظہارِ ناراضگی فرمایا اور محدثین سے اظہارِ ہمدردی ومحبت فرمایا ؟

[2] مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو !

حجۃ معصومۃ ولا قال ان الحق منحصر فیھا وان ماخرج عنھا باطل۔“ (منھاج السنۃ ص۹۲/ج۲)

کہ ”اہل سنت میں سے یہ کسی نے کہا ہے کہ ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے اور نہ ہی یہ بات کسی نے کہی ہے کہ حق ان میں منحصر ہے اور جو ان سے خروج کرے وہ باطل ہے۔“

علامہ ذہبی نے ”منہاج السنۃ“ کے اختصار ”المنتقی“ ص۱۵۷ میں بھی شیخ الاسلام رح کا یہ قول نقل کیا ہے۔ دورِ حاضر کے نامور حنفی عالم مولانا سرفراز صفدر اپنی ایک معرکۃ الآراء تصنیف میں لکھتے ہیں:

”نہ معلوم وہ کونسا محقق عالم ہے جس نے یہ کہا ہو کہ حق صرف ائمہ اربعہ میں منحصر ہے اور جو ان کی تقلید نہیں کرتا وہ قطعاً اور یقیناً باطل پر ہے؟ سینکڑوں امام ان کے علاوہ بھی گزرے ہیں اور لوگ ان کی بھی تقلید کرتے رہے ہیں۔ الخ۔“ (المنہاج الواضح ص۶۳)

لہٰذا جب فقہاء اربعہ کا اجماع حجت نہیں اور حق ان میں منحصر نہیں تو مذاہب اربعہ ہی حق اور حجت کیسے ہو سکتے ہیں؟ ۔ ثالثاً کسے معلوم نہیں کہ علمائے احناف نے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے قول کے مطابق گواہوں سے قسم لینے کو تزکیہ کے قائم مقام قرار دیا ہے؟ چنانچہ علامہ بحر العلوم شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

”لو وجد روایۃ صحیحۃ من مجتھد آخر یجوز العمل بھا الا تری ان المتاخرین افتوا بتحلیف الشھود اقامۃ لہ مقام التزکیۃ علی مذھب ابن ابی لیلیٰ۔“ (بحوالہ معیار الحق ص۱۳۵)

کہ ”اگر کسی مجتہد کا صحیح قول مل جائے تو اس پر عمل جائز ہے۔ کیا نہیں معلوم نہیں کہ متاخرین نے ابن ابی لیلیٰ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ گواہوں سے قسم لینا تزکیہ کے قائم مقام ہے۔“

بلکہ خود شاہ صاحب نے حاملہ مرضعہ کے متعلق ائمہ اربعہ سے علیحدہ امام اسحاق بن راہویہ کے قول کو اختیار کیا ہے کہ چاہے وہ فدیہ دے بغیر قضاء کے اور اگر چاہے تو بغیر فدیہ قضا کرلے۔ دیکھئے مصفیٰ ص۲۵۱/ج۱۔ ائمہ اربعہ مصارف زکوٰۃ میں ”مولفۃ قلوب“ کا مصرف تسلیم

نہیں کرتے۔ شاہ ولی اللہ یہاں بھی ان کے خلاف ہیں۔ البتہ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے العرف الشذی ص۲۷۸۔ اسی طرح امام حسن بصری تو مطلقاً نیند کو نواقض وضو شمار کرتے ہیں اور یہی رائے شاہ صاحب کی ہے مصفی ص ج حالانکہ ائمہ اربعہ کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں مذاہب اربعہ کی پابندی کے آخر کیا معنی ہیں؟

اسی سلسلے میں مزید یہ استشہاد بھی پیش کیا گیا ہے کہ "امام العصر مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری بے نظیر وسعت مطالعہ کے باوجود فرمایا کرتے کہ "تمام فنون میں میری اپنی رائے ہے لیکن فقہ میں مقلد محض ہوں"۔ پس جب یہ اکابرین مجتہدین کی تقلید سے بے نیاز نہیں تو دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ اب خواہ کوئی ائمہ اربعہ کی تقلید کرے یا بعد کے ایسے لوگوں کی، جو علم و دانش زہد و تقویٰ میں ان اکابر کی گرد کو بھی نہ پہنچے"۔ (محصلہ ص۴۸۷/۴ ج۲) تقلید کے لفظ سے اس قدر پیار اور اس میں اس حد تک غلو کہ باقی تمام علوم میں تو مجتہد بن جائیں مگر فقہ کی بات آئے تو مقلد محض؟ ۔ حالانکہ تقلید کی تعریف میں "عدم علم" شرط ہے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ ابن عبد البر اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ لوگوں کا اتفاق ہے کہ مقلد عالم نہیں ہوتا۔ (اعلام الموقعین ص۷ ج۱ دہلی) اور خود علامہ ابن عبد البرؒ کا کلام جامع بیان العلم ص۱۱۵،۱۱۴ ج۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ عبید اللہ بن المعتمر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک جانور اور مقلد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور خود ان کی نظم کا ایک شعر ہے ؎

لا فرق بین مقلد وبهيمة تنقاد بین جنادل ودعاثر

اور یہی وجہ ہے کہ مقلد محض کو فتویٰ دینا جائز نہیں کہ وہ عالم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض مفتی کا کلام نقل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رح کے تلامذہ قاضی ابو یوسف، زفر وغیرہ فرماتے ہیں:

"لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا ما لم يعلم من اين قلناه لان الفتوى لا يحل الا بالاجتهاد"

کہ "کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے، جب تک اسے ہمارے قول کی دلیل معلوم نہ ہو کیوں کہ فتویٰ اجتہاد کے بغیر جائز نہیں"

(فتاوی النوازل ص۳۸۱ لابی اللیث الفقیہ السمرقندی)

بلکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی فرماتے ہیں کہ:

"حرام علی من لا یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی"

"کہ جو میرے قول کی دلیل سے واقف نہیں اسے میرے قول کے مطابق فتویٰ دینا حرام ہے" (المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۵۸)

سوال یہ ہے کہ تقلید جس کی بنیاد محض حسن ظن پر مبنی ہے ... امام ... اس کی نفی تو خود انھوں نے کر دی کہ بلا معرفتِ دلیل ہمارے قول کی ... ہے۔ اب ان کے قول پر فتویٰ کیا معرفت دلیل کے بعد ہے؟ اگر دلیل معلوم ہے تو پھر تقلید کیسی؟ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"فما یظن فیمن کان موافقا لشیخه فی اکثر المسائل لکنه یعرف لکل حکم دلیلاً ویطمئن قلبه بذالك الدلیل وهو علی بصیرة من امره انه لیس بمجتهد ظن فاسد الخ"

کہ "پس ایسے عالم کے متعلق جو اکثر مسائل میں اپنے امام کے موافق ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ہر حکم کی دلیل سے واقف ہو اور وہ اپنے معاملہ میں خاص سمجھ بوجھ رکھتا ہو یہ خیال کرنا کہ وہ مجتہد نہیں بالکل ایک فاسد گمان ہے" (عقد الجید ص۹ طبع کراچی)

لہٰذا اگر یہ اکابر بشمول کاشمیری صاحب ائمہ کے اقوال و فتویٰ کے دلائل سے واقف ہیں تو پھر بھی انہیں "مقلد" کیسے جانا یا خود کو مقلد سمجھنا شاہ صاحب کی اصطلاح میں محض "ظن فاسد" ہے۔ اور اگر کوئی صاحب معرفتِ علم کے باوجود "جہل" کو ہی اپنا اعزاز سمجھتا ہے تو ہم اس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اپنے متعلق اتنی بدگمانی اچھی نہیں۔

اور یہ بات بھی کتنی عجیب کہی کہ "اب خواہ کوئی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید کرے یا بعد کے ایسے لوگوں کی جو علم و دانش اور زہد و تقویٰ میں ان اکابر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے" جب ہم ائمہ اربعہ کی تقلید کے قائل نہیں تو ان سے کم تر درجہ کے علماء کی تقلید کے کیا معنیٰ؟ ۔جب ائمہ اربعہ کے تلامذہ نے ادلّہ کی روشنی میں اپنے شیوخ سے اختلاف کیا اور اس اختلاف کو قبول بھی کر لیا گیا۔ حد یہ کہ عبادات میں امام ابوحنیفہ کی تقلید اور وقف و قضاء کے معاملہ میں قاضی ابویوسف کے فتاویٰ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ شامی اور عالمگیری وغیرہ میں

ہے۔ بلکہ کبھی مجبوراً شافعی قاضی سے فتویٰ حاصل کر کے وقتی ضرورت کو پورا کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ نیز فتویٰ میں "ارفق بالناس" اور "موافق بعرف بلدہ" کو بھی ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔ مگر یہ کہنے کی جرأت نصیب نہ ہوئی کہ دلیل امام کے قول کے خلاف ہے۔ لہٰذا ہم دلیل کی روشنی میں امام کے قول کو چھوڑتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں جس امام کا قول دلیل کے مطابق ہے اسے قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی فکر تمام سلف کا تھا جیسا کہ شاہ صاحب نے علامہ شعرانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر آج تک مذہبِ معین کا التزام کئے بغیر مذاہب پر عمل کرتے اور فتویٰ دیتے تھے .... علمائے سلف اور رجال اسی پر ہیں یہاں تک کہ یہ امر متفق علیہ اور گویا مسلمانوں کا ایسا طریقہ ہو گیا ہے کہ اس سے مختلف ہونا صحیح نہیں۔" (عقد الجید ص۱۴۴)

اور خود علامہ شعرانی کا کلام المیزان الکبریٰ ص ۳۹، ۱۵/۱ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جب "سبیل المؤمنین" یہی ہے تو اس سے روگردانی اور اس کے مقابلہ میں متعین مذہب کی دعوت کا انجام متعین ہے جس سے کوئی بھی ناواقف نہیں۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۔۔۔ الخ!

اختلاف الفقہاء کے اسباب اور تعامل سلف کی حیثیت:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام" میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "حجۃ اللہ" اور "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ حضرات صحابہ کرام اور فقہاء عظام کے مابین فقہی اختلاف کے اسباب و وجوہ کیا تھے؟ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف کے اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ حدیث کی صحت و ضعف میں اختلاف۔
۲۔ صحتِ حدیث کے اصولِ مقررہ میں اختلاف۔
۳۔ حدیث کا بھول جانا یا حدیث کا علم نہ ہونا۔
۴۔ دلالتِ حدیث کی عدم معرفت۔

۵۔ حدیث کے معارض کسی اور دلیل کا ہونا۔

۶۔ حدیث کا اس مسئلہ پر دلالت نہ کرنا وغیرہ۔

حضرت امام شافعیؒ، جنہیں اصولِ فقہ کے موسس اور مدون ہونے کا شرف حاصل ہے، کا اپنے پیش رو حضرات بالخصوص امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کوئی ڈھکا چھپا نہیں بلکہ امام مالک استاد بھی ہیں لیکن اس کے باوجود مسائل کیا، قواعد و اصول میں بھی امام شافعیؒ ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ انہی میں ایک یہ ہے کہ کیا "عمل اہل مدینہ" حجت ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں مگر امام مالکؒ بڑی شدت سے اس کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کا بھی طرزِ عمل عموماً یہی ہے کہ وہ اہلِ کوفہ کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں حتیٰ کہ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ کی بنیاد عموماً ابراہیم نخعی کے فتاوی پر ہوتی ہے۔ (حجۃ اللہ) مگر امام شافعیؒ کا موقف ان کے خلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام اور تابعین عظام کسی مسئلہ میں حدیث کے متلاشی ہوتے تھے۔ اگر حدیث نہ ہوتی تو پھر استدلال کی دوسری انواع اجتہاد وغیرہ پر عمل کرتے اور اگر اس کے بعد کسی وقت حدیث مل گئی تو حدیث کی بناء پر اپنے اجتہاد اور فتاویٰ سے رجوع کر لیتے تھے۔ شاہ صاحب نے امام شافعیؒ کے موقف کی خوب وضاحت کی ہے اور اس سلسلے میں چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ یہ ساری تفصیل حجۃ اللہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جمہور متاخرین نے امام شافعیؒ کی تائید کی ہے۔ خود محققین مالکیہ نے تعاملِ مدینہ کو کلیتہً قبول نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اجماعِ مدینہ یا "تعامل اہلِ مدینہ" کی دو قسمیں ہیں ایک نقلی دوسری استدلالی۔ نقلی یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کوئی عمل نقل در نقل چلا آئے۔ مثلاً اوزانِ صاع و عددِ کلمات اذان و اقامت وغیرہ۔ اس صورت کو وہ بلا خلاف حجت مانتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اخبار کو ترک کر دینے کے قائل ہیں۔ اور تعامل استدلالی میں اختلاف ہے جس کی تفصیل قاضی شوکانی کی الارشاد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مگر صد افسوس کہ لدھیانوی صاحب امام شافعیؒ اور جمہور کے اس نظریہ کو رفض کا حنفی شعبہ قرار دینے پر تلے بیٹھے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"خیر القرون کے بعد چونکہ معیار تعامل آنکھوں کے سامنے نہیں رہا تھا اس

لیے احادیث کی صحت وسقم اوران کے معمول بہا ہونے نہ ہونے کا مدار صرف سند کی صحت وضعف پر رہ گیا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کا خیال ہونے لگا کہ ایسی روایت میں، جس کے راوی ثقہ ہوں، اس کے مقابلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کا تعامل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کسی روایت کے راویوں کی ثقاہت و عدالت اور فہم ودیانت کو حضرات خلفاء راشدینؓ کے تعامل پر ترجیح دے ڈالنا نہ صرف یہ کہ صحت مندانہ طرزِ فکر نہیں ہوسکتا بلکہ اگر اسے رفض کا خفی شعبہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔" (بینات ص۴۳)

بیّنات کا محولہ صفحہ پڑھنا چاہیئے، بات تعامل مدینہ یا سلف کے عمومی عمل کی ہے جسے اصطلاحاً زیادہ سے زیادہ جمہور کا عمل کہا جاسکتا ہے۔ "خلفاء راشدین" کے عمل کی نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ "احادیث کے معمول بہا ہونے کا مدار صرف سند کی صحت وضعف پر رہ گیا" اصولِ حدیث سے ناواقفی کی بین دلیل ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ جہاں تک تعامل و توارث کا تعلق ہے تو اصولِ فقہ میں ادلہ شرعیہ (قرآن۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس) چار ہیں۔ تعامل وتوارث کو "حجتِ قاطعہ" کہنا محض لدھیانوی صاحب کی خانہ ساز اپج ہے۔ افسوس کہ موصوف تعامل کو شاید "اجماع" کا مترادف قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق بیّن ہے۔ انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ قاضی ابویوسف کی موجودگی میں جب امام مالکؒ نے صاع کا وزن "توارثاً" پانچ رطل اور ایک رطل کا ثلث ہونا ثابت کیا تو قاضی صاحب اپنے سابقہ موقف سے دست بردار ہوگئے اور مالکؒ کے موقف کو قبول کرلیا لیکن کیا وجہ ہے تعامل وتوارث کو "حجتِ قاطعہ" قرار دینے والے آج بھی اس کا انکار کر رہے ہیں۔ آخر یہ تعامل نظر سے محجوب کیوں ہے؟۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے امام شافعیؒ کی ہم نوائی میں "خیار مجلس" کی حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ فقہاء کوفہ وغیرہ کا تعامل اس پر نہیں۔ حالانکہ خیار مجلس کی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر، حکیم بن حزام، ابوبرزہ اسلمی، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ۔ ابن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ احناف اور مالکیہ کے علاوہ اکثر اہل علم اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اس حدیث کی صحت پر علماء کا اجماع ہے۔ (الزرقانی ص۲۲۱/۳) اسی حدیث کے ظاہر پر حضرت عبداللہ بن

عمر اور ابو برزہ رضی اللہ عنہما کا عمل تھا جیسا کہ امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے :

"لا یعرف لھما مخالف من الصحابۃ"

کہ "صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ان کا مخالف معلوم نہیں ہوتا"

یہی مسلک بعد میں قاضی شریح، امام شعبی، طاؤس، ابن ابی ملیکہ، سعید بن المسیب، زہری، ابن ابی ذئب، حسن بصری، اوزاعی وغیرہ کا ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق بھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی امام شافعی ہی کا موقف صحیح قرار دیا ہے۔ مگر جنہوں نے تقلید وجمود کی قسم اٹھا رکھی ہے ذرا ان کا عمل بھی دیکھ لیجئے۔ شیخ الہند محمود الحسن فرماتے ہیں :

"خلاصہ کلام کہ مسئلہ خیار مجلس اہم مسائل میں سے ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رح نے اس میں جمہور اور اکثر متقدمین ومتاخرین کی مخالفت کی ہے۔ انھوں نے ان کے مذہب کی تردید میں رسائل بھی لکھے ہیں اور شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے بھی مذہب شافعی کو "من جھۃ الاحادیث والنصوص" (احادیث ونصوص کی بنا پر) ترجیح دی ہے۔ اسی طرح ہمارے شیخ مدظلہ نے ان کے مذہب کو ترجیح دی اور فرمایا۔ الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی ھذہ المسئلۃ ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفۃ رحمہ اللہ۔

کہ "حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح شافعی کے قول کو ہے اور ہم مقلد ہیں۔ ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے"

(تقریر ترمذی ص ۳۹ طبع رشیدیہ دہلی)

یہ عبارت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہم ایسی تقلید کو بدترین گمراہی اور طریقہ سلف کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دیکھئے "احکام الصید والذبائح" میں "ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ" کی حدیث گیارہ صحابہ سے مروی ہے اور ابن المنذر فرماتے ہیں :

"لم یرو عن احد من الصحابۃ ولا من العلماء ان الجنین لا یؤکل الا باتیان الزکاۃ فیہ الخ"

کہ "صحابہ کرامؓ اور اہل علم میں سے کسی سے منقول نہیں کہ وہ کہتے ہوں کہ بچے کو ذبح کرنے کے بعد ہی کھانا چاہیئے۔" (نیل الاوطار ص ۱۵۱/۸ وغیرہ)

مگر توارث کو "حجت قاطعہ" سمجھنے والوں کے ہاں یہاں بھی امام ابوحنیفہ اور ایک قول کے مطابق ابراہیم نخعی کے قول کی بنا پر نہ حدیث کا لحاظ نہ توارث کا پاس ہے۔

مزید دیکھئے۔ حلالہ کی حرمت اور اس پر عمل کرنے والے پر لعنت کا ذکر احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ حلالہ کے سخت مخالف، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ بھی اعلان کروایا کہ حلالہ کرنے والا مل گیا تو سنگسار کرادوں گا، امام مالک، امام شافعی، احمد، اسحاق، لیث، ابوعبیدہ بلکہ قاضی ابویوسف تک سب یک زبان کہ حلالہ کی نیت سے کیا ہوا نکاح فاسد مگر خلفائے راشدینؓ اور "عملی توارث" کے مدعی یہاں بھی اپنا کرتب دکھا گئے بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اگر نیت خیر خواہی کی ہوگی تو اس کا اجر ملے گا۔" (درمختار) معاذ اللہ۔

ہم چلتے ہوئے انہی چند مسائل کی نشاندہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ ہمارے پیش نظر اس سلسلے میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان مسائل میں توارث اور تعامل خلفاء پر عمل نہیں کیا گیا؟ — اور یہ دیکھ کر تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ لدھیانوی صاحب بڑی جرأت سے لکھتے ہیں:

"یہی وہ کارنامہ ہے جو ائمہ احناف نے انجام دیا انہوں نے کسی مسئلہ میں بھی صحابہؓ و تابعینؒ کے تعامل سے صرف نظر نہیں کیا۔ لیکن بعد کے فقہاء و محدثین کو اس معیار کا قائم رکھنا مشکل تھا اس لیے انہوں نے روایات کی صحت وضعف کو اصل معیار قرار دیا۔" (بینات ص ۴۴)

اس عبارت کو ذرا ان کی سابقہ عبارت سے ملا لیجئے جس میں کہا گیا ہے کہ توارث و تعامل کی بجائے صرف راویوں کی ثقاہت پر اعتماد کرنا نہ صحت مندانہ طرز فکر ہے بلکہ یہ رفض کا خفی شعبہ ہے۔ اس کا مطلب تو واضح ہے کہ صحت مندانہ طرز فکر صرف ائمہ احناف برقرار رکھ سکے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے عمل میں معاذ اللہ رفض کا خفی شعبہ پایا جاتا ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

مگر ہم ابھی مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح کر چکے ہیں کہ توارث و تعامل کا یہ خوش کن نعرہ محض طفلانہ بڑھک ہے۔ ایک عامی آدمی کے لیے یہ تصور تو بڑا حسین و دلکش ہے کہ ہم تعامل سلف کے پابند ہیں مگر یقین جانیئے اس کی مثال ہاتھی دانت کی ہے کہ کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔

خلاصہ کلام "تعامل" "حجتِ قاطعہ" نہیں۔ اصل حجت قرآن و سنت یا پھر اجماع ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر خلفاء راشدینؓ نے بالاتفاق عمل نہیں کیا۔ یا خلفاء راشدین رضؓ کسی صحیح حدیث کے خلاف پر متفق نہیں۔ تو اس میں ہم ان شاء اللہ حق بجانب ہوں گے۔

کیا صحیحین کی روایت مقدم ہے؟

متاخرین علمائے فن اس بات پر متفق ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو دوسری صحیح روایات پر یک گونہ ترجیح ہے۔ اور اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ان کو ان کے مؤلفین کے زمانہ سے لے کر آج تک تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور یہ اُن دونوں کا ایسا شرف و فضل ہے جس کا اعتراف تمام ائمہ فن نے کیا ہے۔ اسی طرح صحیحین کی احادیث کے مقدم ہونے کا نظریہ بھی تمام ائمہ اصول کے ہاں متفق رہا ہے۔ لیکن نویں صدی ہجری میں علامہ ابن ہمام نے سب سے اول فتح القدیر ص۳۱۷، ۳۱۸ ج۱ اور ص۱۸۶ ج۳ میں اور ان کے بعد ان کے تلمیذ ابن امیر الحاج نے التقریر والتحریر فی شرح کتاب التحریر ص۳۰ ج۳ میں اس سے اختلاف کیا۔ یہ دونوں بزرگ حنفی مکتب فکر کے حامل تھے۔ متاخرین علمائے احناف نے بھی عموماً ان کی ہمنوائی فرمائی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس سے مسلک حنفی کی مؤیدہ روایات کو اولاً صحیح باور کرانے کی کوشش کی جائے پھر کہا جائے کہ یہ روایات بھی صحیح ہیں لہٰذا ان کو مرجوح اور صحیحین کی روایت کو راجح قرار دینا تحکم ہے۔ شیخ عبدالحق، جو خود اس مسئلہ میں ابن ہمام کے متبع ہیں، نے صاف صاف لکھا ہے:

"واین سخن نافع ومفید است در غرض از شرح این کتاب کہ اثبات وتائید مذاہب ائمہ مجتہدین ست خصوصاً مذہب حنفی وغرض شیخ ابن الھمام نیز ہمیں است۔"

کہ "یہ بات بہت نافع لھذا مفید ہے اس (سفر السعادت) کتاب کی شرح کے لیے اور مذاہب ائمہ مجتہدین کے مذاہب کی تائید کے لیے بالخصوص مذہب حنفی کی تائید کے لیے اور شیخ ابن ہمام کی بھی غرض یہی ہے۔"

(شرح سفر السعادت ص۱۵ ط ۱۲۹۲)

لیجئے یہ ہے حقیقتِ واقعہ اس اصول کو اختیار کرنے کی ؎

نکل جائے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بین سے وہ ایسا رندِ قدح خوار اچھا

یہی وجہ ہے کہ علامہ الجزائری نے اس فکر کے حاملین پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے انہیں "بعض ارباب الاہواء" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ :

"والحاصل ان مزیۃ الصحیحین ثابتۃ ثبوت الجبال الرواسی لا ینکرھا الا غمر یزری بنفسہ وھو لا یشعر" (توجیہ النظر ص۱۲۰)

بلکہ متاخرین علمائے احناف میں سے علامہ عبدالحی لکھنوی مرحوم نے بھی بڑی شدت سے علامہ ابن ہمام کی مخالفت کی ہے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں :

"ھذا الترتیب قد اطبقت علیہ کلمات المحدثین بل یکاد ان یکون مجمعا علیہ بین المتبحرین ولم یخالف فیہ الا ابن الھمام وابن امیر الحاج العلامہ ومن تبعھما فی ھذا المرام"

"اس ترتیب (کہ پہلے تزیح صحیحین کی روایات کو ہوگی الخ) پر محدثین کا کلام قرناً بعد قرنٍ منقول چلا آتا ہے بلکہ متبحر علماء کا تقریباً اس پر اجماع ہے اور اس کی مخالفت صرف ابن ہمام، ابن امیر الحاج اور ان کے متبعین نے ہی کی ہے۔" (الاجوبۃ الفاضلۃ در مجموعہ رسائل سبعہ ص۵۶)

علامہ لکھنوی کے ان الفاظ سے لدھیانوی صاحب اور انہی کے ہم خیال دوسرے حضرات کی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ صحیحین کی روایات کو مقدم جاننے کا اصول بعض شافعیہ کا ہے۔ (بینات ص۵۹) حضرت مولانا بشیر احمد سھسوانی نے علامہ ابن ہمام کے اس نظریہ کا ابطال "شفاء الغی" میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ اور بعد میں علامہ لکھنوی نے "ابرار الغی" میں بھی ان کی تائید کی ہے اور صاف الفاظ میں لکھا ہے :

"قول ابن الھمام فی ھذا المقام غیر مقبول عند محققی الاعلام
کما بسطہ صاحب دراسات اللبیب الخ"
کہ "اس بحث میں ابن ہمام کا قول محققین کے ہاں مقبول نہیں جیسا کہ صاحب
دراسات اللبیب نے تفصیل سے لکھا ہے۔" (البراز الغی ص۳۴)

علامہ ابن ہمام نے اپنے اس نظریہ کو "سنن مغرب" کے ضمن میں بیان کیا ہے اور اس بحث کا مستقل جواب علامہ جمال الدین قاسمی نے ایک مستقل رسالہ "الاجوبۃ المرضیۃ" میں دیا ہے جو قابل دید ہے۔

الغرض دوسرے علماء کے علاوہ خود محققین علمائے احناف نے بھی ابن ہمام کی تائید نہیں کی۔ تعجب ہے کہ یہ بات تو تسلیم کر لی گئی کہ ابن ہمام کی منفرد آراء جو "ہمارے مذہب" کے خلاف ہیں وہ مقبول نہیں (البحر الرائق ص ۱۲۵/ج۵ العرف الشذی ص۵) مگر ان کی رائے جو تمام متقدمین کے خلاف ہے اور ان کے بعد بعض محقق احناف نے بھی ان کی تردید کی ہے، وہ محض اس لیے مقبول کہ اس سے "ہمارے مذہب" کی تائید ہوتی ہے ؎

تیری زلف میں پہنچی تو حُسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی!

یہ ہیں وہ چند اصولی مباحث جن کا ذکر لدھیانوی صاحب نے بیّنات کے اس دوسرے حصہ میں کیا ہے۔ مگر آپ دیکھ آئے ہیں کہ موصوف اپنے مقدمات کو ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔

باقی رہے وہ مسائل جن کا تذکرہ اس کے بعد ہوا ہے تو ان پر پہلے ہی فریقین کی طرف سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بلکہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان مسائل میں عدم ثبوت کے اعتبار سے جن دلائل میں وزن ہے وہ فریقین کے مرحوم اکابر لکھ چکے ہیں۔ اسی لیے سردست ہم ان مباحث سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اور اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ان شاء اللہ لدھیانوی صاحب کے مزعومہ دلائل کی حقیقت بھی بیان کر دی جائے گی۔